محمد اسحاق بھٹی

قدیم دَور کے چند ہندی فقہائے کرام

(۳)

لاہور کے قدیم دَور کے علما و محدثین میں سے شیخ اسماعیل لاہوری خاص شہرت و اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کا اصل وطن کیا تھا۔ اس کی تصریح کسی تذکرہ نگار نے نہیں کی۔ البتہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ غزنوی عہد کے آغاز میں لاہور آئے۔ جس زمانے میں یہ لاہور تشریف لائے، وہاں کے لوگ اسلام سے بالکل ناآشنا تھے۔ ان کے مواعظ سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ پہلے جمعہ کو ان کے وعظ سے دو سو پچاس، دوسرے جمعہ کو تین سو پچاس اور تیسرے جمعہ کو پانچ سو ہندو مسلمان ہوئے۔[1]

رائے بہادر کنہیالال لکھتے ہیں:

"یہ ہر جمعہ کو وعظ کہتے تھے۔ ان کے وعظوں کی تاثیر سے ہزاروں لوگ جامہ اسلام پہنتے تھے۔ قرآن و حدیث کے حافظ تھے۔ آواز ایسی اچھی تھی کہ جس کے کان میں پڑ جاتی، کھنچا چلا آتا تھا۔[2]"

رائے بہادر کنہیالال کے قول کے مطابق ۴۱۲ھ میں، صاحب تحقیقاتِ چشتی کی رائے میں ہندو راجاؤں کے آخری عہد میں اور مصنف خزینۃ الاصفیا کے بیان کی رو سے ۳۹۵ھ میں بعد سلطان محمود غزنوی لاہور آئے۔ اسی سال، سلطان محمود غزنوی، فتح کشمیر کو اپنے احاطۂ قدرت سے باہر دیکھ کر لاہور کی طرف آیا تھا۔ اس وقت لاہور میں راجہ

---

[1] تحقیقاتِ چشتی، ص ۱۷۹

[2] تاریخ لاہور، از رائے بہادر کنہیالال، ص ۳۰۰

جے پال کا پوتا، جے پال دوم پنجاب کا راجہ تھا۔ وہ محمود غزنوی کے قصدِ لاہور کی خبر سن کر لاہور سے بھاگ کر راجہ اجمیر کے پاس چلا گیا اور سلطان نے بلا جھجک لاہور پر قبضہ کر کے اپنے نام کا خطبہ پڑھایا اور لاہور کو غزنی کے ماتحت ایک صوبہ قرار دیا۔

محمود غزنوی کی افواج کے ساتھ علما و فضلا کی بھی ایک کثیر تعداد ہوتی تھی، اور عین ممکن ہے کہ شیخ اسماعیل فوج کے ہمراہ لاہور آئے ہوں اور پھر خدمتِ دین و اشاعتِ اسلام کے لیے انھوں نے لاہور ہی کو اپنا وطن بنا لیا ہو۔ ان کے بیان و وعظ میں وہ دلائل اور ان کی زبان میں وہ تاثیر تھی کہ لوگ پروانوں کی طرح ان کے گرد جمع ہو جاتے۔

لاہور میں چھتیس برس تک اسلام کا یہ زبردست مبلغ، دینِ فطرت کی اشاعت میں سرگرم عمل رہا۔ اور ۴۴۸ھ میں وفات پائی۔ حضرت علی ہجویریؒ ۴۳۱ ہجری میں لاہور تشریف لائے۔ ان کی آمد سے پیشتر اس شہر میں شیخ حسین زنجانی موجود تھے۔ شیخ اسماعیل کی ان دونوں بزرگوں سے ملاقاتیں ضرور ہوئی ہوں گی لیکن کسی تذکرہ نگار نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ کشف المحجوب بھی جو حضرت علی ہجویریؒ کی تصنیف ہے، اس بارے میں خاموش ہے۔

اس امر کا بھی کچھ پتہ نہیں چلتا کہ شیخ اسماعیل کہاں اور کس مسجد میں جمعہ پڑھایا کرتے اور وعظ کہا کرتے تھے۔ لاہور میں، محمود غزنوی کے عہد میں اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی، اس لیے لشکرِ اسلام اور مسلمان حکام و عوام کے لیے کوئی نہ کوئی مسجد سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں تعمیر ہو چکی ہو گی[۳]

تذکرہ علمائے ہند میں مولوی رحمان علی نے ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

شیخ اسماعیل لاہوری از عظمائے محدثین و مفسرین بود۔ او اوّل کسے است کہ علمِ حدیث و تفسیر بہ لاہور آوردہ و ہزارہا مردم در مجلسِ وعظ وے مشرف باسلام شدند۔ در سال چہار صد و چہل ہشت ہجری بہ لاہور درگذشت[۴]

---

[۳] نقوش لاہور نمبر بابت فروری ۱۹۶۲ء، ص ۱۴۶، ۱۴۷۔

[۴] تذکرہ علمائے ہند، مولوی رحمان علی، ص ۲۲، مطبع نول کشور لکھنؤ، طبع دوم ۱۹۱۴ء

یعنی شیخ اسماعیل لاہوری، عظیم محدثین ومفسرین میں سے تھے۔ یہ پہلے شخص ہیں، جو علمِ حدیث وتفسیر، لاہور میں لائے۔ ان کی مجلسِ وعظ میں ہزاروں افراد، شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوتے۔ یہ ۴۴۸ھ میں لاہور میں فوت ہوئے۔

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے اکتوبر، نومبر اور دسمبر ۱۹۲۸ء کے معارف (اعظم گڑھ) میں "ہندوستان میں علمِ حدیث" کے عنوان سے ایک مضمون سپردِ قلم کیا تھا، جو اس موضوع سے متعلق بہت سی قیمتی معلومات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ مضمون ۱۹۶۸ء (۱۳۸۷ھ) میں "مقالاتِ سلیمان" کے حصہ دوم میں شائع ہو چکا ہے۔ یہ حصہ مقالات شاہ معین الدین احمد ندوی کا مرتب کردہ ہے۔ اس مضمون میں "درۂ خیبر کے راستہ سے پہلا محدث" کے ضمنی عنوان کے تحت سید صاحب مرحوم رکھتے ہیں۔

"درۂ خیبر کے راستہ سے یہاں مسلمان پانچویں صدی ہجری کی ابتدا میں داخل ہوئے۔ سلطان محمود غزنوی نے ۴۱۲ھ میں لاہور فتح کیا۔ سلطان مسعود کے عہد میں ایک بزرگ شیخ اسماعیل لاہور سے ہندوستان وارد ہوئے۔ حدیث وتفسیر کے جامع البحرین اور بڑے مؤثر البیان تھے۔ بے شمار آدمی یہاں ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوتے۔ ۴۴۸ھ میں لاہور میں وفات پائی۔"[۵۵]

اس عبارت کے نیچے سید صاحب مرحوم نے ابن ندیم کی الفہرست کا حوالہ دیا ہے، جو صحیح نہیں، کیونکہ الفہرست کا مصنف تو ۳۹۰ یا ۳۹۱ھ میں وفات پا چکا تھا۔ لہٰذا الفہرست میں شیخ اسماعیل کے ذکر کی کوئی صورت نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ سید صاحب کا یہ لکھنا کہ "شیخ اسماعیل لاہور سے ہندوستان وارد ہوئے" قرینِ صحت نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ شیخ اسماعیل غزنی سے ہندوستان وارد ہوئے تھے۔

بختیار بن عبداللہ ہندی

یہ ابو محمد بختیار بن عبداللہ ہندی فصاد ہیں۔ ان کے بارے میں سمعانی لکھتے ہیں کہ یہ میرے والد ابوبکر محمد سمعانی کے آزاد کردہ ہندی غلام تھے، اور ان کے ساتھ انھوں نے عراق

۵۵؎ مقالاتِ سلیمان حصہ دوم، ص ۴

اور حجاز کا سفر کیا اور ان سے بہت سی احادیث کا سماع کیا۔ الفاظ یہ ہیں:

انه عتیق الامام ساری رحمه الله سافر معه الی العراق والحجاز وسمعه الحدیث الکثیر۔

یہ صالح اور پرہیزگار آدمی تھے۔ انھوں نے حصولِ علم کے لیے عراق، ہمدان اور اصفہان وغیرہ ملکوں اور علاقوں کی خاک چھانی اور وہاں کے اساتذۂ فن سے اخذِ فیض کیا۔ بغداد میں ابو محمد جعفر بن احمد بن حسین سراج، ابوالفضل محمد بن عبدالسلام بن احمد انصاری اور ابوالحسین مبارک بن عبدالجبار طیوری سے، ہمدان میں ابو محمد عبدالرحمٰن بن احمد بن حسن دونی سے، اور اصفہان میں ابوالفتح محمد بن احمد حداد اور ان کے طبقہ سے سماعِ حدیث کی۔ خود سمعانی نے ان سے روایات سننے کا شرف حاصل کیا۔ ان کا انتقال صفر ۵۴۱ھ میں مرو میں ہوا۔[۶]

ابوالحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری

لاہور، برصغیر پاک و ہند کا ایک مشہور اور قدیم شہر ہے۔ اس میں بے شمار علما و فقہا و مفسرین و محدثین اور عباد و زہاد، باہر سے بھی آئے اور خود اس شہر میں بھی پیدا ہوئے۔ سمعانی یعنی ابوسعید عبدالکریم بن محمد بن منصور تمیمی سمعانی (متوفی ۵۶۲ھ) نے اسے "لوہور" بھی لکھا ہے اور "لاہور" بھی۔ اس نے اس کو بلادِ ہند کا "کثیرۃ الخیر" شہر قرار دیا ہے۔ لاہور کے بارے میں سمعانی کے الفاظ یہ ہیں:

وھی مدینة من بلاد الھند کثیرة الخیر، ویقال لھا لوھور ولاھور خرج منھا جماعة من العلماء۔[۷]

یعنی یہ بلادِ ہند میں کا ایک "کثیر الخیر" شہر ہے۔ اس کو لوہور بھی کہا جاتا ہے اور لاہور بھی۔ اس میں علمائے کرام کی ایک جماعت نمودار ہوئی۔

سمعانی نے لاہور کے تین علمائے کرام یعنی ابوالحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری، ابوالفتوح عبدالصمد

---

[۶] الانساب۔ سمعانی، ورق ۵۹۲

[۷] الانساب۔ سمعانی، ورق ۴۹۷

بن عبدالرحمٰن اشعثی لاہوری اور ابوالقاسم محمود بن خلف لاہوری کا ذکر کیا ہے۔ شیخ ابوالحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری کے بارے میں سمعانی لکھتے ہیں:

یہ ادیب و شاعر بھی تھے اور محدث بھی۔ بڑے سخن طراز تھے اور بہت سی احادیث انھیں زبانی یاد تھیں۔ حافظ ابو علی مظفر بن الیاس بن سعید سعیدی کے شاگرد تھے۔

سمعانی ان کے متعلق مزید لکھتے ہیں کہ میں خود ان سے نہیں ملا لیکن حافظ ابوالفضل محمد بن ناصر سلامی بغدادی کے واسطے سے مجھے ان کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔ ان کا فیضِ علم لاہور سے لے کر بغداد تک جاری تھا۔ ان کے بارے میں سمعانی کے الفاظ یہ ہیں:

ابوالحسن علی بن عمر بن الحکم اللاہوری، کان شیخاً ادیباً شاعراً کثیر المحفوظ ملیح المحاورۃ، سمع ابا علی المظفر بن سعید السعیدی الحافظ لم الحقہ وروی لنا عنہ ابوالفضل محمد بن ناصر السلامی الحافظ البغدادی[۵۸]

ابوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمٰن اشعثی لاہوری

ان کا ذکر کرتے ہوئے سمعانی لکھتے ہیں: یہ شیخ ابوالحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری کے شاگرد تھے اور سمرقند میں درسِ حدیث دیتے تھے۔ امام سمعانی نے سمرقند ہی میں ان سے شیخ ابوالحسن کی روایات کا سماع کیا۔ انھوں نے ۴۹۶ھ میں وفات پائی۔[۵۹]

ابوالقاسم محمود بن خلف لاہوری

ان کے بارے میں سمعانی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

وابوالقاسم محمود بن خلف اللاہوری تفقیہ مناظر تفقہ علی جدی الامام ابی المظفر السمعانی وسمع منہ وغیرہ، سمعت منہ شیئاً یسیرا باسفرائن وکان قد سکنہا وتوفی فی حدود سنۃ اربعین وخمس مائۃ۔[۶۰]

یعنی ابوالقاسم محمود بن خلف لاہوری، فقیہ و مناظر تھے۔ امام ابوسعید عبدالکریم (مصنفِ الانساب)

---

۵۸ الانساب۔ ورق ۴۹۷ ۵۹ ایضاً

۶۰ ایضاً

کے دادا ابوالمظفر سمعانی سے علمِ فقہ حاصل کیا۔ ان کے علاوہ دیگر علما و محدثین سے بھی سماعتِ علم کی۔ امام سمعانی کہتے ہیں۔ میں نے بھی اسفرائن میں ان سے کچھ روایات سننے کا شرف حاصل کیا۔ انھوں نے وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ۵۴۰ھ کے لگ بھگ فوت ہوئے۔

حسین زنجانی لاہوری

فخر الدین حسین زنجانی لاہوری، خراسان کے مردم خیز قصبے، زنجان کے باشندے تھے اس لیے زنجانی کہلائے۔ پھر مستقل طور پر لاہور میں رہائش پذیر ہو گئے، لہذا لاہوری مشہور ہوئے۔

سلطان محمود غزنوی کے عہد میں (۱۰۰۵ء - ۳۹۵ھ) یا اس سے کچھ مدت بعد لاہور تشریف لائے۔ بہت بڑے فقیہ اور عابد و زاہد تھے۔ علومِ دینیہ اور طریقت و تصوف کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ انھوں نے شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی سے اخذِ علم کیا اور ایک عرصہ ان کی صحبت و رفاقت میں گزارا۔ حصولِ علم کے بعد وارِدِ ہند ہوئے اور لاہور میں سکونت اختیار کی۔ ان کی وفات اس روز ہوئی جس روز کہ مشہور بزرگ حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ نے لاہور میں قدم رنجہ فرمایا۔

حضرت شیخ زنجانی لاہوری نے سلطان محمود غزنوی کے لڑکے سلطان مسعود غزنوی کے دورِ حکومت کے آخری دنوں (۱۰۴۰ء — ۴۳۱ھ) میں لاہور میں وفات پائی۔

ایک روایت کے مطابق حضرت خواجہ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے جنازے میں شرکت کی۔[۱]

ابوالحسن بختیار بن عبداللہ

چھٹی صدی ہجری کے ہندوستان میں بے شمار اور مشہور محدث و فقیہ موجود تھے۔ رجال و انساب سے متعلق معروف تصنیف الانساب کے مصنف ابوسعید عبدالکریم سمعانی ۵۶۲ھ میں

---

[۱] ۱۔ فوائد الفواد۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء۔

۲۔ تحقیقاتِ چشتی: از مولوی نور احمد چشتی، ص ۲۱۵۔ شائع کردہ پنجاب اکیڈمی، لاہور (۱۹۶۴)

۳۔ نقوش لاہور نمبر، ص ۴۳۱۔ (فروری ۱۹۶۲ء)

فوت ہوئے۔ ان کی یہ کتاب اپنے موضوع میں نہایت جامع مفصل اور مستند کتاب ہے۔ اس میں وہ "الہندی" کے تحت لکھتے ہیں: فہو منسوب الی بلاد الہند و فیہم کثرۃ و شہرۃ یعنی (چھٹی صدی ہجری کے) ہندوستان میں محدثین و فقہا کی ایک کثیر اور مشہور جماعت موجود ہے لیکن سمعانی نے اس کثیر و مشہور جماعت میں سے صرف دو ہندی بزرگوں کا تذکرہ کیا ہے اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ غلام تھے۔ یہ غلام کی حیثیت سے اُبھرے اور دنیائے علم کے سامنے حدیث و فقہ کے امام بن کر نمودار ہوئے۔ یہ دونوں، امام سمعانی کے شیخ اور استاد تھے۔ ان کے نام ایک ہیں اور کنیتیں دو ہیں۔

ان میں سے ایک شیخ ابوالحسن بختیار بن عبداللہ ہندی ہیں۔ یہ صوفی اور محدث تھے اور قاضی محمد بن اسماعیل یعقوبی (جو بوشنگ کے رہنے والے تھے) کے آزاد کردہ غلام تھے۔ نہایت نیک اور بہترین سیرت کے عالم تھے۔ اپنے آقا کے ساتھ عراق، حجاز، اہواز، بغداد بصرہ، اصفہان، کوہستان اور خوزستان کا سفر کیا۔ ان کے اساتذہ کا حلقہ بڑا وسیع ہے۔ جہاں گئے، وہاں کے شیوخ و محدثین سے روایات سننے کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ مثلاً بغداد میں ابونصر محمد، ابوالفوارس طراد بن محمد بن علی زینبی اور ابومحمد رزق اللہ بن عبدالوہاب تمیمی سے بصرہ میں ابوعلی علی بن احمد بن علی تستری، حافظِ حدیث ابوالقاسم عبدالملک بن علی بن خلف بن شعبہ اور ابویعلی احمد بن محمد بن حسن عبدی سے، اصفہان میں طبقۂ محدثین کی بہت بڑی جماعت سے، اسی طرح بلادِ کوہستان کے اصحاب الحدیث سے، احادیث و روایات سنیں۔ سمعانی نے بوشنگ اور ہرات میں ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ان کی وفات ۵۴۳ھ میں ہوئی۔[۱۵]

محمد بن عثمان جوزجانی لاہوری

شیخ محمد بن عثمان بن ابراہیم بن عبدالخالق جوزجانی۔ انھیں امام سراج الدین بن منہاج الدین لاہوری کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ لاہور میں پیدا ہوئے، سمرقند میں نشو و نما پائی۔ اور اپنے دَور کے مشہور اساتذہ سے اخذِ علم کیا۔ فقہ، اصول اور علومِ عربیہ کے عظیم المرتبت علما میں سے تھے۔ تحصیلِ علم کے بعد ملوک و امرا سے تقرب پیدا ہوا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سلطان شہاب الدین

---

۱۵ الانساب، سمعانی، ورق ۵۹۲

غوری نے ۵۸۳ھ کو لاہور میں ان کو محکمہ فوج کے قاضی مقرر کر دیا - اس منصب پر یہ کئی سال متعین رہے -

اس زمانے میں بامیان کے تختِ حکومت پر سلطان بہاء الدین سام بن سلطان شمس الدین محمد متمکن تھا، جو بڑا علم پرور اور علم دوست حکمران تھا - اس نے علماء و فضلا کی بہت بڑی جماعت بامیان میں جمع کر لی تھی یہ بادشاہ ۵۸۷ سے ۶۰۲ھ تک دادِ حکومت دیتا رہا - ۵۸۹ھ میں شیخ محمد بن عثمان جوزجانی کو بھی اس نے اپنے ہاں بلا لیا، وہاں ان کو قاضی القضاۃ مقرر کر دیا گیا، اور ساتھ ہی دو عظیم مدارس کا اہتمام اور خطابت و احتساب وغیرہ تمام مناصب شرعیہ بھی ان کو تفویض کیے گئے -

شیخ ممدوح، عالم و فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ انتہا درجہ کے فصیح و بلیغ بھی تھے اور معاملات سیاسیہ پر بھی کامل عبور رکھتے تھے - اس لیے دو مختلف حکمرانوں نے ان کو دو مرتبہ عباسی خلیفہ الناصر لدین اللہ کی خدمت میں سفیر کی حیثیت سے بغداد بھیجا - ایک مرتبہ حاکم سیستان تاج الدین نے اور دوسری مرتبہ بادشاہِ ہند غیاث الدین غوری نے -

دوسری مرتبہ بغداد سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ جب مکران کے قریب پہنچے تو وفات پا گئے - یہ ۵۹۰ھ کے لگ بھگ کی بات ہے -

شیخ محمد بن عثمان بہت بڑے شاعر بھی تھے - چند رباعیاں ملاحظہ ہوں :

آں دل کہ ز ہجر ور دنا کش کردی — و ز ہر شادی کہ بود پا کش کردی
از خوئے تو آگہم کہ ناگہ ناگہ — آوازہ در افتد کہ ہلاکش کردی

دل را برخ خوب تو میل افتاد است — جان دیدہ بر امید بیت بکشاد است
چشم آب زن خاک درت خواہد بود — گر عمر وفا کند قرار ایں داد است

ای کردہ یخ در برف بسی دائگیت — روشن تر از آفتاب بی مائگیت
برجای رسول آخر از بہر خدای — گہ میخوری و بندہ بہ ہمسائگیت[12]

---

[12] طبقات ناصری جلد دوم، ص ۲۳۲ تا ۲۳۶ - ناشر: انجمن تاریخ افغانستان، کابل (۱۳۴۲ ش)
(طبقات ناصری کے مصنفہ عثمان بن محمد جوزجانی (م ۶۵۸ھ) ان کے بیٹے ہیں) لباب الالباب، از نور الدین محمد العوفی - نزہۃ الخواطر ج ۱، ص ۱۱۰ -